OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

اسلام میں جنگ کے آدابِ: منتخب اُردو تفاسیر کا مطالعہ
(Etiquettes of War in Islam: A Study of Selected Urdu Commentaries of the Quran)

Muhammad Shafique Ahmed
Doctoral Candidate Islamic Studies, GIFT University Gujranwala
Professor Dr. Mustafeez Ahmad Alvi
Dean Faculty of Social Sciences, NUML, Islamabad/ Ex Director Faculty of Arts & Social Sciences, GIFT University Gujranwala

Abstract

Etiquette of war has been an important topic of discussion in various circles from the very beginning. This debate has become increasingly important in modern times. It is said by the opponents of Islam that Islam and Muslims have abandoned the etiquette of war and allowed oppression and aggression. Among the Muslim scholars who have contributed to this debate is a section of *Qur'ānic* commentators. This article presents a study of Urdu commentaries on the subject under consideration. Six Urdu commentaries have been selected for this study. Arguments quoted from selected Urdu commentaries reveal that infidels with whom the Muslims have a peace treaty cannot be fought unless they themselves have broken the covenant, nor can the people of the enemy who take refuge in them be killed. Reconciliation with the infidels will not be initiated during the war, unless there is a great compulsion, but if there is an offer of peace from the infidels, it will not be rejected. Non-combatants will not be killed intentionally. It is not permissible to cut down or damage trees

and crops from enemy territory on the basis of retaliation alone, although war tactics can be used to cut down trees that impede military movement. No human will be burned alive or burned in the fire after death. However, the use of firearms in modern times is not against the etiquette of war in Islam. Orientalists have objected that Muslims were naturally prone to looting and war but the *Qur'ānic* words "وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ" depicts that they dislike war. It is clear from this study that in the selected Urdu commentaries, a successful attempt has been made to prove the moral superiority of Islam and Muslims regarding etiquettes of war.

Key Words: Etiquettes of war, Quran, Urdu commentaries

تمہید

جنگ کے آداب مختلف حلقوں میں شروع ہی سے ایک اہم موضوعِ بحث رہا ہے۔ عصرِ حاضر میں جنگ کی ہلاکت خیزی کی شدت کے تناظر میں آدابِ جنگ کی بحث بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ اس سلسلے میں مخالفینِ اسلام کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں نے جنگ کے آداب کو پس پشت ڈالتے ہوئے ظلم وعدوان کو روا رکھا؛ طاقت کے زور پر اشاعتِ اسلام کا سامان کیا۔ یہ بات مخالفینِ اسلام کے ساتھ ساتھ کئی مسلم دانش ور بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً سر سید احمد خاں (م1898ء) اسلام کے آدابِ جنگ کو بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کا عمل اُن کے خلاف سمجھتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 212 کی تفسیر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں: "ہاں یہ سچ ہے کہ مسلمانوں نے اس میں سے کسی کی بھی پوری تعمیل نہیں کی، بلکہ بر خلاف اس کے بے انتہا ظلم و ستم کیے۔"[1] اس طرح کے اعتراض کے جواب میں کلاسیکل علمائے اسلام میں بھی یہ بحث ہوتی رہی ہے، اور آج کے دور میں بھی ہو رہی ہے۔ مسلم علما میں اس بحث میں اپنا حصہ ڈالنے والوں میں ایک طبقہ مفسرین قرآن کا بھی ہے۔ اس مضمون میں زیرِ نظر موضوع پر اُردو تفاسیر میں آنے والی متعلقہ ابحاث کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کام کے لیے جن چھے اردو تفسیروں کا انتخاب کیا گیا ہے، ان میں معارفُ القرآن از مولانا مُفتی محمد شفیع، تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی، تدبر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحی، ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر القرآن الکریم از حافظ عبد السلام، الکوثر فی تفسیر القرآن از شیخ محسن علی نجفی شامل ہیں۔ اس مطالعے میں یہ اسلوب اختیار یہ کیا گیا ہے کہ منتخب اُردو تفاسیر میں آدابِ جنگ سے متعلق مباحث کو مناسب ذیلی عنوانات کے تحت زیرِ بحث لایا گیا ہے اور آخر میں خلاصۂ بحث پیش کیا گیا ہے۔

معاہدین کا احترام

[1] سر سید احمد خاں، تفسیر القرآن (لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، س ن)، 255۔

معاہدین کا احترام جنگ کے اہم اُصولوں میں سے ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جن سے معاہدہ کیا گیا ہے، اُن کا احترام ہونا چاہیے۔ آدابِ جنگ کے حوالے سے اس پر جو اعتراض کیا جاسکتا ہے یا کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب آپ معاہدہ کر لیں تو اُس کو پورا کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس موضوع کو ہمارے اُردو مفرین نے اپنی تفسیروں میں مختلف مقامات پر ایڈریس کیا ہے۔ اس سلسلے میں جن آیات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے، ان میں سورہ الانفال آیت 58، سورہ النساء آیت 90، سورہ التوبہ آیت 4، 8 اور سورہ الفتح آیت 3 شامل ہیں۔ مفسرین کے نزدیک اسلام کے جنگی قوانین کے تحت جب تک معاہدین اپنے معاہدہ کی شرائط پر کاربند رہیں، اُن سے دورانِ جنگ کسی قسم کا تعرض کرنا جائز نہیں۔[2] مولانا امین احسن اصلاحی (م 1997ء) نے سورہ التوبہ کی آیت 5 کی تفسیر اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمان جو دوسری اقوام سے معاہدات کریں اُن میں اُنھیں راست باز، صداقت شعار اور وفادار رہنا چاہیے؛ کسی بھی عہد اور قول و قرار کی کوئی ادنیٰ سی بھی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔[3] مشرکین کے ساتھ کیے گئے عہدوں کی پاسداری کو تقویٰ کے شعار میں شمار کیا گیا ہے۔[4] دورانِ جنگ جب اس بات کا خدشہ پیدا ہو جائے کہ دُشمن قوم یا فوج کیے ہوئے معاہدے کی پاسداری نہیں کرے گی، بلکہ نقض عہد کی مرتکب ہو گی، تو ایسی صورت میں بھی اسلامی حکومت کے لیے جائز نہیں ہو گا کہ فسخ معاہدہ کا اعلان یک طرفہ کرے، یا وہ ایسی قوم کے خلاف باقاعدہ الٹی میٹم دیے بغیر اعلانِ جنگ کر دے۔[5] مفتی محمد شفیع (م 1976ء) نے سورۃ الانفال کی آیت 58 کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ معاہدہ کو صاف طور پر ختم کر دینے سے پہلے ہم اُن کے خلاف کوئی اقدام کریں، بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ اُن کو اطمینان و فرصت کی حالت میں اس سے آگاہ کر دیا جائے۔[6] اسی طرح کی بات مفتی شفیع نے سورہ التوبہ آیت 4 کی تفسیر میں بھی کی ہے۔[7] اور یہی بات اُنھوں نے سورہ الفتح کی آیت 3 کی تفسیر میں بھی بیان کی ہے۔[8] پیر کرم شاہ الازہری (م 1998ء) نے بھی سورہ التوبہ کی آیت 4 کے ضمن میں کہا ہے معاہدوں کی پابندی کرنا لازم ہے۔[9] جب کہ اس سلسلہ میں جو کفار کا طرز عمل ہے اُس کو بھی بعض مفسرین نے سورہ التوبہ کی آیت 8 کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ کفار جب غالب آجاتے ہیں نہ تو کسی قسم کی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کے امن و صلح کے معاہدہ پاسداری کرتے ہیں۔[10] مفسرین نے اس بات کو صرف ایک ضابطۂ جنگ کے طور پر ہی نقل نہیں کیا بلکہ تاریخِ اسلام سے اس کی بعض عملی مثالیں بھی بیان کی ہیں کہ مسلمانوں نے معاہدہ ٹوٹنے یا معاہدہ کی میعاد ختم ہونے کے

---

[2] التوبۃ9: 4۔

[3] مولانا محمد امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن 2009ء)، 3:839-

[4] پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز 1995ء)، 2:180-

[5] الانفال8: 58۔

[6] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن (کراچی: اِدارۃ المعارف 2008ء)، 4:269۔

[7] محمد شفیع، معارف القرآن، 4:311-312۔

[8] محمد شفیع، معارف القرآن، 8:63۔

[9] الازہری، ضیاء القرآن، 2:179-

[10] الازہری، ضیاء القرآن، 2:182-

قریب ہونے کی صورت میں لشکر روانہ نہیں کیا، تاکہ کہیں یہ بھی خیانت شمار نہ ہو جائے۔ چنانچہ مفتی شفیع سورۃ الانفال کی آیت 58 کی تفسیر کے آخر میں میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تاکہ التوائے جنگ کی معیاد میں لشکر کشی پر اقدام کر کے خیانت میں داخل نہ ہو جائیں۔[11] سورہ النساء آیت 90 کے ضمن میں صاحب تفہیم القرآن نے لکھا ہے کہ اگر دُشمن کا کوئی آدمی یا کوئی گروہ کسی ایسے علاقے یا کسی قبیلے یا کسی ملک میں چلا جائے یا پناہ لے لے، جن کے ساتھ مسلمان ملک کا معاہدۂ امن ہوا ہو تو ایسے لوگوں کو قتل کرنے کے لیے اُس ملک میں داخل نہیں ہوا جائے گا۔ یہاں احترام دُشمن کا نہیں بلکہ معاہدے کا ہے۔[12] اسی سے ملتی جلتی بات پیر کرم شاہ نے بھی سورہ النساء کی آیت 90 کے ضمن میں فرمائی ہے کہ جب کوئی دُشمن قوم کا شخص کسی ایسے قبیلے میں چلا جائے جس سے تمھارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے، تو پھر اُنھیں کچھ نہ کہو۔ نیز اگر وہ یہ یقین دلا دیں کہ وہ تمھارے خلاف لڑنے کی بجائے، تمھارے معاون بن کر اپنی قوم کے خلاف لڑیں گے، تو بھی ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔[13]

صلح وامان کی صورت پیدا کرنا

اسلام کے مقاصدِ جنگ میں سے ایک اہم مقصد "اصلاح اور امن"۔ اگر یہ مقصد جنگ لڑے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو اسلام انسانیت کو جنگ کی بھٹی میں نہیں جُھونکنا چاہتا۔ اسلام نے نزاع کے خاتمے کے لیے جنگ کو آخری حل قرار دیا۔ اس موضوع کو اس لیے اس تجزیاتی مطالعہ میں شامل کیا گیا ہے کہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمان صلح و امن کی طرف آنے کی بجائے خواہ مخواہ دُنیا کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنا چاہتے ہیں۔ ہمارے اُردو مفسرین نے اس موضوع پر قرآن مجید کی مُختلف آیات کی روشنی میں بات کی ہے۔ سورہ الانفال کی آیت 61 کی تفسیر میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ دُشمن کی طرف سے اگر صلح کے لیے ہاتھ بڑھایا جائے، تو اُن کی نیت پر شک کرتے ہوئے، اُس سے انکار نہ کیا جائے بلکہ بہادری کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے، صلح کرتے ہوئے خونریزی کو طول نہیں دینا چاہیے۔ گویا بین الاقوامی معاملات میں مسلمانوں کی پالیسی بزدلی کی بجائے بہادری والی ہونی چاہیے۔[14] پیر کرم شاہ نے لکھا ہے کہ اگر کفار جنگ کی بجائے صلح پر آمادہ ہوں تو تمھیں بھی چاہیے کہ خونریزی سے ہاتھ اُٹھالو اور صلح کر لو۔[15] عبدالسلام مطابق اسلامی جہاد کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے، ہر حال میں اُن کو قتل کرنا نہیں۔ صلح کے نتیجے میں دینی اور دنیوی برکات حاصل ہوتی ہیں، دینی برکت یہ ہے کہ کفار سے میل جول کے نتیجے میں، کفار اسلام سے واقف ہوتے ہیں اور دُنیاوی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات جزیہ پر صلح کے نتیجے میں، مسلمانوں کی مالی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔[16] سورہ الممتحنہ کی آیت 60 کے حوالے سے بعض مفسرین نہ یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جو کفار مسلمانوں سے

---

[11] محمد شفیع، معارف القرآن، 270:4۔

[12] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (لاہور: ترجمان القرآن 2004ء)، 381:1۔382۔

[13] الازہری، ضیاء القرآن، 375:1-

[14] مودودی، تفہیم القرآن، 156:2۔

[15] الازہری، ضیاء القرآن، 162:2-

[16] حافظ عبدالسلام بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم (لاہور: دارالندلس 2014ء)، 932:4۔

نہیں لڑتے، اُن سے اسلام نے بھی لڑنے کی بجائے ، حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔اور اسلام نے یہاں 'محارب کافروں' اور 'مصالح کافروں' میں فرق کرتے ہوئے، غیر اہلِ قتال کے ساتھ حسنِ سلوک کو 'انصاف' کہا ہے۔[17]

ایک جگہ قرآن نے یہاں تک حکم دیا کہ اگر دُشمن قوم کے چند لوگ مل کر امان مانگیں تو اُن کو قتل کرنا روا نہیں ہو گا بلکہ اُن کو امن سے رہنے کی اجازت ہو گی: وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ۔ [18] البتہ ہمارے بعض مفسرین نے سورہ محمد کی آیت 35 کی تفسیر میں اس حوالے سے ایک دوسرا پہلو بھی پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو دورانِ جنگ دُشمن سے صلح کی بھیک نہیں مانگنی چاہیے، الا یہ کہ کسی شدید ضرورت کے تحت صلح کرنا مجبوری بن جائے۔[19]

بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت

اسلامی تعلیمات کے مطابق محاربین کے دو طبقات ہیں: ایک اہلِ قتال اور دوسرا غیر اہلِ قتال۔ اہل قتال وہ لوگ ہیں جو جنگ میں عملاً شریک ہوتے ہیں جبکہ غیر اہلِ قتال وہ ہیں جو جنگ میں عملاً حصہ نہیں لیتے۔ جیسے عورتیں، بچے، معذور، بیمار، زخمی، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین، معبدوں اور مندروں کے مجاور وغیرہ۔ اس موضوع کو سورہ البقرہ آیت 190 میں ایڈریس کیا گیا ہے۔ مفتی شفیع نے اس آیت میں بیان ہونے والے مسائل میں اس کی جو تفصیلات بیان کی ہیں اُس کا حاصل یہ ہے کہ صرف اُن کافروں سے قتال کا حکم ہے، جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں۔ لہٰذا غیر اہلِ قتال یعنی عورتوں، بوڑھوں، بچوں اور راہب یا پادری وغیرہ اور اسی طرح اپاہج و معزور لوگ اور کافروں کے ہاں محنت مزدوری کرنے والے لوگ، جو دُشمن قوم کی افواج کے ساتھ مل کر شریکِ جنگ نہیں ہوتے، ایسے لوگوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ فقہاے اسلام کی تصریحات کے مطابق اگر مذکورہ بالا لوگوں میں سے کوئی عملاً شریک جنگ ہو یا مسلمانوں سے لڑنے والوں کی معاونت کر رہا ہو تو پھر اُس کو یہ استثنیٰ حاصل نہیں رہے گا، یعنی اُسے بھی لڑائی میں قتل کیا جائے گا۔[20]

درخت کاٹنا منع ہے

اسلام کی جنگی اخلاقیات میں سے ہے کہ محض انتقامی بُنیاد پر دُشمن کے علاقے سے درختوں اور فصلوں کو کاٹنا یا نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر ہمارے بعض مفسرین نے بڑی نفیس بحث فرمائی ہے۔ محسن علی نجفی (پیدائش 1938ء) نے سورہ الحشر کی آیت 5 کی تفسیر میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ محض انتقامی بُنیاد پر دُشمن کے علاقے سے درختوں اور فصلوں کو کاٹنا یا نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔[21] البتہ جنگی حکمت عملی کے تحت ایسے درختوں کو کاٹا جا سکتا ہے، جو فوجی نقل و حرکت میں حائل

---

[17] الازہری، ضیاء القرآن، 199:5۔

[18] التوبۃ 6:9۔

[19] الازہری، ضیاء القرآن، 519:4۔

[20] محمد شفیع، معارف القرآن، 1: 469۔470۔

[21] محسن علی نجفی، الکوثر فی تفسیر القرآن (لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ 2016ء)، 9: 101۔

ہوں۔[22] اس سے یہ فقہی مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جنگی ضروریات کے تحت جو 'تخریبی' کاروائی ضروری ہو وہ 'فساد فی الارض' کے زُمرے میں نہیں آتی، کیونکہ فساد فی الارض تو وہ ہوگا جب صرف انتقام کی وجہ سے دُشمن کے علاقے میں داخل ہو کر بلاوجہ کھیت وغیرہ کو خواہ مخواہ تباہ کر دیا جائے۔[23] اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیتِ کریمہ ہے: مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ [24] "تم لوگوں نے کھجوروں کے جو درخت کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، یہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا۔ اور (اللہ نے یہ اذن اس لی دیا) تا کہ فاسقوں کو ذلیل و خوار کرے۔" سورہ الحشر کی مذکورہ آیت 5 میں جس اقدام کا ذکر ہوا ہے، یہ اقدام اس بناپر کیا تھا کہ اِس کے بغیر دشمن پر غلبہ پانا مُشکل تھا۔ اس آیتِ کریمہ کے تحت اور اس ضمن میں علماء اسلام کی تصریحات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اب بھی دورانِ جنگ اس طرح کا کوئی اقدام کرنا پڑے تو جائز ہوگا کیونکہ اس طرح کے عمل سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دُشمن کی طاقت و شوکت ٹوٹ جائے یا عدم فتح کی صورت میں اُن کے مال واسباب کو ضائع کرنا بھی اُن کی قوت کو کمزور کرنے میں داخل ہے۔[25]

آگ میں جلانا منع ہے

ظہورِ اسلام سے قبل دُشمن کو تکلیف دینا حق سمجھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں آگ میں جلانے کو بھی معیوب نہیں گردانا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۔ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۔ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۔[26] "مارے گئے اس خندق والے۔ جو سراسر آگ تھی، بہت ایندھن والی۔ جب وہ اس کے اُوپر بیٹھے ہوئے تھے۔" بلکہ قرآن حکیم کے اپنے بیان کے مطابق کفار نے انبیا علیہم السلام میں سے ایک جلیل القدر ہستی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی آگ میں جلانے سے بھی گریز نہیں کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر بچالیا۔ اسلام نے آدابِ جنگ میں جن چیزوں کو ختم کیا یا نیا متعارف کروایا، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ، کسی انسانی جان کو نہ زندہ جلایا جائے اور نہ ہی مرنے کے بعد آگ میں جلایا جائے یا عذاب دیا جائے۔ ہمارے بعض مفسرین نے سورہ البروج کی آیات 4-6 میں یہ بات کہی ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل، کفار کی جانب سے اہلِ ایمان کو آگ میں جلانے کے ایسے واقعات، دُنیا میں کئی ہوئے ہیں۔[27] بعض مفرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ عصر حاضر کے بعض واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ کفار کی جانب سے اہلِ ایمان کو آگ میں جلانے کے اس طرح کے واقعات کافر قوتوں کے زیر سایہ آج بھی ہو رہے ہیں۔ اس کی مثالیں انڈیا، برما اور افریقہ وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔[28] دورِ جدید میں آلاتِ حرب اس طرح کے آگئے ہیں کہ وہ تو آگ برساتے ہیں۔ مثلا: بندوق، توپ، ٹینک، جنگی جہاز اور

---

[22] الازہری، ضیاء القرآن، 166:5۔
[23] مودودی، تفہیم القرآن، 386:5
[24] الحشر 5:59۔
[25] محمد شفیع، معارف القرآن، 362:8۔
[26] البروج 4:85-6۔
[27] مودودی، تفہیم القرآن، 296:6۔
[28] بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم، 932:4۔

میزائیل وغیرہ۔ اِن آلاتِ حرب کے استعمال کی دو توجیہات ہیں۔ پہلی یہ کہ کافروں نے ان کا استعمال شروع کر دیا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو ان کا استعمال کرنا درست اور جائز ہے اور دوسرا یہ کہ اسلام کے آداب جنگ میں ممانعت مطلق طور پر آگ میں جلانے کی ہے، جس کو اسلام نے اخلاقاً ناپسند فرمایا ہے۔

تباہ کاری منع ہے

بعض مستشرقین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلمان طبعاً لوٹ مار اور جنگ وجدل کے رسیا تھے۔ ہر وقت تلواریں سونتے، پر امن بستیوں کو برباد کرنے اور لوٹنے کے لیے آدھمکتے تھے۔[29] ہمارے اُردو مفسرین نے مستشرقین کے اس طرح کے اعتراض کا رد بھی قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر میں کیا ہے۔ اس موضوع پر ابحاث سورہ البقرہ آیت 205، 216، سورہ یوسف آیت 92 ، سورہ النمل آیت 92، سورہ یونس 78، سورہ الشعرا کی آیت 34-35 اور سورہ محمد آیت 35 ملاحظہ کی جا سکتیں ہیں۔ پیر کرم شاہ سورہ البقرہ کی آیت 216 کی تفسیر میں مستشرقین کے مذکورہ اعتراض کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تاریخ میں ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ کسی کمزور، تعداد میں کم، سامان جنگ سے یکسر محروم قوم نے شوقیہ اپنے سے زیادہ طاقت ور، کثیر التعداد، ہر قسم کے اسلحہ سے لیس قوم کو جنگ کے لیے للکارا ہو۔ یہاں پیر کرم شاہ نے مستشرقین کے مذکورہ اعتراض کو بڑے ہی مضبوط انداز میں رد کرتے ہوئے، زیر بحث آیت کے الفاظ "وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ" کے تحت یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر مسلمان طبعی طور پر جنگجو ہوتے اور اُن کا دین اِنہیں لوٹ مار کا سبق دیتا، تو کیا وہ جنگ کو ناپسند کرتے بلکہ وہ تو بہانے تلاش کرتے کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے تا کہ لوٹ مار، تخت و تاراج کی حسرت پوری ہو سکے۔[30] سورہ محمد کی آیت 35 کی تفسیر میں پیر صاحب نے کہا ہے کہ اگر مسلمان وسائل کے اعتبار سے اتنے ہی مضبوط ہوتے اور لوٹ مار کرنے والے ہوتے تو یہاں اُن کو طاقتور دُشمن کے مقابلہ میں ہمت نہ بندھائی جاتی۔[31] سورہ یونس کی آیت 78 میں بھی بعض مفسرین نے کفار کے اس اعتراض کا رد کیا ہے کہ کہ مسلمان عقائد کی اصلاح اور اخلاق کی تربیت کی بجائے محض اقتدار کا حصول چاہتے ہیں۔[32] اس مسئلے میں اسی طرح کی بات عبد السلام نے بھی کی ہے۔[33] مفسرین نے سورہ الشعرا کی آیت 34-35 کی تفسیر میں اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ اہلِ کفر نے صرف اہلِ ایمان ہی پر اعتراض کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کے یہ لوگ صرف اقتدار کے بھوکے ہیں، بلکہ اِنھوں نے تو اسی طرح کے گھٹیا الزامات لگاتے ہوئے کہا ہے کہ اُن کے قتال کا مقصد بھی تخت و تاج کا چھینا ہوتا تھا۔[34]

---

[29] الازہری، ضیاء القرآن، 1:147-

[30] الازہری، ضیاء القرآن، 1:147-

[31] الازہری، ضیاء القرآن، 4:519-

[32] الازہری، ضیاء القرآن، 2:222-

[33] بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم، 2:54۔

[34] الازہری، ضیاء القرآن، 3:390-

قرآن مجید نے اہل کفر کی عام روش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِى الأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ[35] "اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑ تا پھر تا ہے تا کہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے)یعنی مال وجان کو تباہ برباد کر دیتا ہے۔" اور قرآنِ مجید نے بادشاہوں کی جو جنگی تاریخ ذکر کی ہے اُس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب کوئی فوج کسی دوسرے ملک کی طرف پیش قدمی کرتی ہے تو وہاں صرف مال و جان کو تباہ وبرباد ہی نہیں کرتی بلکہ عزت اور آبرو کو بھی ختم کر دیتی ہے:قالَتْ إنَّ الْمُلُوكَ إذا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوها وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِها أَذِلَّةً وَكَذلِكَ يَفْعَلُونَ۔[36] "اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے۔ قرآن حکیم نے سابقہ غیر مسلم فاتح اقوام کی جو تاریخ بیان کی ہے، ظہورِ اسلام کے بعد بھی بعض کئی مواقع ایسے آئے ہیں کہ عالمِ کفر کو جب بھی اقتدار ملا اُنھوں نے طاقت کے نشے میں آکر مفتوح اقوام کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ پیر کرم شاہ نے سورہ النمل کی آیت 34 کی تفسیر میں اس کی ایک مثال فرانس کی دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جب استعماری قوتوں کے قدم وہاں پہنچے اور اُنھوں نے اپنے استعمار کے خونی پنجے گاڑے تو وہاں کے رہنے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی اور فقر فاقہ کے شکنجہ میں کس دیے گئے ۔[37] لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس طرح کی تباہ کاری سے منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۔[38] "اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔" مذکورہ اسلامی تعلیمات کا یہ ثمرہ تھا جو فتح مکہ کے وقت نمودار ہوا کہ جن لوگوں نے 8 سال قبل تکلیفیں دے کر نبی رحمت ﷺ اور اُن کے ساتھیوں کو ان کے شہر سے نکالا تھا، اُنکوئی قتلِ عام نہیں ہوا اور نہ کسی قسم کی لوٹ مار ہوئی اور نہ ہی کسی کی عزت وآبرو کو پامال کیا گیا۔ مکہ شہر کی تسخیر کی اس پوری کارروائی میں صرف 24 آدمی اُس صورت میں مارے گئے کہ اُنھوں نے دست درازی میں خود پیش قدمی کی، حالانکہ فاتح جو کرتے ہیں اُس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس محمد ﷺ فرمایا: وَأَنَا أَقُولُ كَمَا قَالَ أَخِي يُوسُفَ: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ[39] "میں اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کی طرح کہوں گا: آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں کی جائے گی۔"

مالِ غنیمت

زمانہِ جاہلیت میں غنائم کا حصول اور جلب زر قتل وغارت کا ایک بہت بڑی وجہ تھی۔ جب کوئی شہر فتح ہوتا تو فاتح وہاں کے مردوں کو تو قتل کر دیتے، اُن کی عورتیں، بال بچوں اور اُن کے جانوروں اور اموال کو لوٹ کر اپنے لیے رکھ لیتے۔ اسلامی تعلیم کی بنا پر غنائم کے حوالے سے لوگوں کی فکر بالکل بدل گئی۔ ہمارے مفسرین نے اس مسئلہ کو ایڈریس کرتے ہوئے سورہ محمد کی

[35] البقرۃ 2: 205۔

[36] النمل 27: 34۔

[37] الازہری، ضیاء القرآن، 3:442۔443۔

[38] البقرۃ 2: 205۔

[39] بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم، 2:226۔

آیت 4 اور سورہ التوبہ آیت 1-5 اور سورہ الانفال کی آیت 68، سورہ النساء آیت 94 کے تحت سیر حاصل بحث کی ہے۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی سورہ محمد کی آیت 4 کے ضمن میں لکھا ہے کہ جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل غنائم نہیں بلکہ دُشمن کی جنگی طاقت کو توڑنا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس میں لڑنے کی سکت نہ رہے اور جنگ ختم ہو جائے۔ اسی لیے ہدف کے حصول سے پہلے دُشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنا اور قیدی بنانا اور مال اکٹھا کرنا روا نہیں ہے، بلکہ پہلے دُشمن کا اچھی طرح قلع قمع کرنا ضروری ہے۔[40] پیر کرم شاہ نے بھی سورہ الانفال کی آیت 68 کی تفسیر میں بھی اسی طرح کا نکتہ بیان کیا ہے۔[41] مفتی شفیع سورہ التوبہ کی آیات 1-5 کی تفسیر کے مسائل میں اس پہلو پر بات کرتے ہوئے جو فرمایا ہے کہ اسلامی جہاد کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی لڑائی اپنے نفس کے لیے نہیں ہوتی بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی جنگ اور عام بادشاہوں کی جنگ میں فرق یہ ہے کہ اگر جنگ اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرنے کے لیے ہو تو جہاد ہے ورنہ فساد ہے۔[42] پیر کرم شاہ نے سورہ النساء آیت 94 کی تفسیر میں جو فرمایا ہے کہ حالت جنگ میں بلاوجہ قتل وغارت سے اجتناب کیا جائے، حتیٰ کہ اگر میدان جنگ میں بھی کوئی شخص مسلمانوں کے پاس آکر اپنے اسلام کا اِظہار کر دے تو ایسی صورت میں بھی محض مال غنیمت کے حصول کی خاطر، اس فناپذیر دولت کی خاطر، ایک شخص کی ایمانی شہادت کو رد کرتے ہوئے قتل نہیں کیا جائے گا۔[43] لہٰذا جہاد کے مقاصد میں مالِ غنیمت کا حصول اور کشور کشائی نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا مقصود و مطلوب ہے۔ بقول شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی[44]

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسنِ سلوک

مفسرین نے نے غلامی اور اسیرانِ جنگ کے حوالے سے اسلامی رویے پر اعتراض کا جواب بھی قرآن مجید کی بعض آیات کی روشنی میں دیا ہے۔ سورہ الانفال کی آیت 69 کے ضمن میں مفتی شفیع کی بحث کا نتیجہ یہ کہ جب تک جنگ میں کافروں کی اچھی طرح خون ریزی کرتے ہوئے اُن کی شان وشوکت اور عسکری قوت اور طاقت کو نہ توڑا جائے اُس وقت تک محض فانی دُنیا کا مال یعنی جزیہ لینے کے لیے دُشمن کے لوگوں کو قیدی بنانا جائز نہیں ہے۔[45] سورہ محمد کی آیت 4 میں مفسرین کے دلائل سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ اسلام پر یہ اشکال اس بنا پر پیدا ہوا ہے کہ اسلام میں غلامی کو دیگر مذاہب واقوام کی غلامی پر قیاس کیا گیا ہے، حالانکہ اسلام نے جو غلاموں کو حقوق دیے ہیں، اُس کا اعتراف خود بعض مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ مثلاً مشہور مستشرق

[40] مودودی، تفہیم القرآن، 12:5۔

[41] الازہری، ضیاء القرآن، 165:2۔

[42] شفیع، تفسیر معارف القرآن، 312:4۔

[43] الازہری، ضیاء القرآن، 379:1۔

[44] ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بالِ جبریل (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز 1976ء)، 84۔

[45] محمد شفیع، معارف القرآن، 286:4-287۔

موسیو گستاؤلیبان نے اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھا ہے کہ یہ بالکل یقینی ہے کہ اہل اسلام کے یہاں غلامی کا تصور نصاریٰ کے یہاں غلامی کے تصور سے بالکلیہ مختلف ہے۔[46] سورہ محمد کی آیت 4 میں ہے: فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا۔ "اس کے بعد (تمھیں اختیار ہے) احسان کر دو یا فدیہ کا معاملہ کر لو، تا آنکہ اپنے ہتھیار ڈال دے۔" حافظ عبد السلام بھٹوی (پیدائش 1946ء) نے اس آیت کے ضمن میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں قیدیوں سے احسان کرنے کا جو حکم فرمایا ہے اُس کی ایک صورت یہ ہے کہ انھیں قتل نہ کیا جائے، بلکہ ان کی جان بخشی کر کے انھیں غلام اور لونڈی بنا کر مسلمان افراد کے حوالے کر دیا جائے۔ کیونکہ دائمی قید یا قتل کے مقابلے میں غلام بنا لینا کوئی کم احسان نہیں۔ اور احسان کی دوسری صورت یہ ہے کہ انھیں بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ اُن سے کچھ فدیہ لے کر اُنھیں آزاد کر دیا جائے، جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا گیا۔[47] مذکورہ آیت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کفار کو قیدی بنا لینے کے بعد احسان یا فدیہ ہی میں کوئی ایک صورت اختیار کی جائے گی، انھیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے امیر کو اِنھیں قتل کرنے کا اختیار بھی ہے۔ اگر انھیں قتل کرنے کا اختیار ہی نہ ہو بلکہ انھیں ہر حال میں زندہ رکھنا ان پر واجب ہو تو انھیں چھوڑ دینا ان پر کوئی احسان و انعام نہیں ہو گا۔[48]

خلاصۂ بحث

اسلام کے آداب جنگ کے حوالے سے منتخب اردو تفاسیر میں جو دلائل نقل ہوئے ہیں اُن کے مطابق جن کفار کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدۂ امن ہو وہ جب تک خود عہد شکنی کے مرتکب نہ ہوں اُس وقت تک نہ اُن کے ساتھ جنگ کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اُن کی پناہ میں آنے والے دُشمن کے لوگوں کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ دوران جنگ کفار کے ساتھ صلح میں پہل نہیں کی جائے گی، الا یہ کہ کوئی بہت بڑی مجبوری بن جائے، البتہ کفار کی طرف سے اگر صلح کی پیشکش ہو تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔ غیر اہل قتال کو قصداً قتل نہیں کیا جائے گا۔ محض انتقامی بُنیاد پر دُشمن کے علاقے سے درختوں اور فصلوں کو کاٹنا یا نقصان پہنچانا جائز نہیں، البتہ جنگی حکمت عملی کے تحت ایسے درختوں کو کاٹا جا سکتا ہے، جو فوجی نقل و حرکت میں حائل ہوں۔ کسی انسانی جان کو نہ زندہ جلایا جائے گا اور نہ ہی مرنے کے بعد آگ میں جلایا جائے گا، البتہ دور جدید میں کفار کے مقابلے میں ایسے جنگی آلات کا استعمال جو آگ برساتے ہیں، اسلام کے آدابِ جنگ کے خلاف نہیں، کیونکہ ممانعت مطلق طور میں آگ میں جلانے کی ہے۔ مستشرقین نے اعتراض کیا ہے کہ مسلمان طبعاً لوٹ مار اور جنگ و جدل کے رسیا تھے؛ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید اُن کے لیے "وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ" کے الفاظ نہ کہتا، کہ وہ جنگ کو ناپسند نہ کرتے ہیں، بلکہ وہ تو بہانے تلاش کرتے کہ کوئی موقع ہاتھ آئے تا کہ لوٹ مار، تخت و تاراج کی حسرت پوری ہو سکے۔ اسلامی جہاد کا مقصد غنائم کا حصول یا کشور کشائی نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا ہے۔ اس مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ منتخب اردو تفاسیر میں اسلام کے آدابِ جنگ کو تاریخ اور جدید عصری رویوں کے تناظر میں خوبی سے زیرِ بحث لا کر اس ضمن میں اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی برتری کے اثبات کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

---

[46] محمد شفیع، معارف القرآن، 8:25۔

[47] بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم، 4:303-304۔

[48] بھٹوی، تفسیر القرآن الکریم، 4: 305۔